عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ / جون ۲۰۰۴ء

جلد دوم:
شمارہ: ۱۰

فہرست

عنوان	صاحب مضمون	صفحہ نمبر
بیان حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ		۳
حفاظتِ قرآن مجید	حضرت سید سعید اللہ مازارہ	۱۳
حجِ مبرور	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۱۹
اہلِ سلاسل کی تین اقسام	حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ	۲۲
دورِ فتن میں صبر کی ڈھال	حضرت سید ابوالحسن ندویؒ	۲۴
تعزیت		۳۱

فی شمارہ: ۱۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ۱۵۰ روپے + ڈاک خرچ

خط وکتابت کا پتہ: مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس

پشاور

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

بیان حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝ (الرحمٰن:۲۹)

(وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے)

حضرت مولانا صاحبؒ نے یہ آیت تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا:

اس آیت کا مظہر حضرت موسیٰؑ کو کوہِ طور پر بتایا کہ کوہِ طور جتنا جتنا جلتا تھا اتنا اتنا نورانی ہوتا جارہا تھا۔ اپنی جملہ قوتوں کے ساتھ حضرت جبرائیلؑ سے لیکر ادنیٰ مخلوق تک جتنا کچھ بھی اس ساری مخلوقات کے پاس ہے یہ اللہ کی طاقت اور خزانوں کے مقابلہ میں پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں۔ یہ سب کے سب اکٹھے بھی ہوجائیں تو رب کے سامنے اُن کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ یہ سب کے سب اتنے بھی نہیں جیسے ہاتھی کے مقابلہ میں ایک چیونٹی۔ اتنا بڑا قدرت والا کمال والا، طاقت والا خزانوں والا کسی کے ساتھ ہوجائے تو وہ خود کتنا بڑا ہوجائیگا۔ مسلمانوں کو اللہ نے جو لینے کا راستہ بتایا تھا وہ مخلوق سے لینے کا راستہ نہیں تھا۔

منعم به کوه ودشت و بیاباں غریب نیست
هر جا که رفت خیمه زد و بارگاه ساخت

یعنی مالدار جہاں بھی ہے مسافر اور بے اختیار نہیں بلکہ وہ جہاں بھی جاتا ہے خیمہ لگاتا ہے اور داد و دہش کر سکتا ہے۔ تو جو اصل مالدار یعنی ایماندار ہے وہ جہاں بھی جاتا ہے اللہ تعالیٰ مع اپنی جملہ قدرتوں اور طاقتوں کے ساتھ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ مخلوق کے ساتھ جب خالق کی مدد شامل حال ہوجائے تو وہ ہر جگہ اور ہر حالت میں سرخرو اور کامیاب ہوتی ہے۔ مخلوق کا حاصل کرنا اور اسکے استعمال کرنے کو اسلام نے منع نہیں کیا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کے ماتحت ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تو ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر گزارا ہو، پس جب خالقِ کائنات کے ساتھ تعلق اور رابطۂ قوی نصیب ہوگا تو مخلوق ساری کی ساری تمہارے ساتھ ہوگی۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم فرماتے ہیں۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

توحید کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں سب کچھ دیکھنا اور مخلوق کے ہاتھوں میں کچھ نہ دیکھنا۔ تو جب

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی میں سب کچھ دیکھو گے تو پھر کہو گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ اگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہُ کچا ہے تو پھر نَسْتَعِیْنُہٗ بھی کچا ہوگا۔ استعانت کی حقیقت اس وقت وجود میں آتی ہے جب توحیدِ الٰہی کا یقین کامل ہو جائے یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات میں دیکھا جائے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات میں سب کچھ دیکھو گے تو پھر پورے یقین اور پکے دل سے اللہ تعالیٰ سے مانگو گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے افضل الدعا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہے اور افضل الذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں سب کچھ دیکھتے ہوئے الحمد للہ کہہ دینا سب سے بڑی دعا ہے۔ ہم تو فقیر محتاج ہیں فقیری اصل میں کیا ہے اور فقیری کی حقیقت کیا ہے؟ فقیری کی اصل حقیقت اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کے یقین کا تن من میں دھنس جانا ہے کہ سب کچھ اللہ میں دیکھے اور مخلوق میں کچھ نہ دیکھے، اپنے عدم اور اللہ کے وجود کا کامل یقین ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ج وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُo (سورۃ فاطر آیت ۱۵)۔

کہ تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ غنی اور سراپا حمد ہے۔

فقر کی کمی احساسِ حمد کے تصور سے کامل ہوتی ہے۔ فقر منفی اور حمد مثبت صفت ہے اس منفی کو کامل کرنے کے لئے مثبت سے تعلق بڑھانا پڑے گا۔ ظاہر میں یہ چھوٹے چھوٹے کلمات ہیں لیکن معنی اور مطالب میں بہت بڑے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کے یقین نے نَسْتَعِیْنُہٗ کہلایا۔ جب سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو پھر اِدھر اُدھر کیوں نگاہ دوڑائیں اور کسی طرف کیوں جائیں۔ اسباب کا انکار نہیں لیکن

جب صبح کے مطلع تابان سے پھر عالم بقع نور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نور ظہور ہوا

جب صبح کا نور طلوع ہوا تو پھر چاند ستاروں اور شمعوں سے روشنی حاصل کرنا بے فائدہ ہے۔

یہ اسباب ہیں دست قدرت میں یوں
قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے

الحمد للہ کا ظہور اور یقین مخلوق کو انسان سے مستور کر دیتا ہے اور یہی وحدۃ الوجود کی حقیقت ہے جس میں مخلوق معدوم نہیں ہو جاتی بلکہ مستور ہو جاتی ہے۔ یعنی وحدۃ الوجود کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق پر باوجود اس کے موجود ہونے کے نظر نہیں پڑتی۔ جس طرح ۱۰۰ واٹ کا بلب دن کے ۱۲ بجے سورج کی روشنی میں باجود موجود ہونے کے بے اثر ہوتا ہے اور نا قابل التفات ہوتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ وجمالیہ

وجلالیہ انسان پر کھل جاتی ہیں تو پوری کی پوری مخلوق کالعدم معلوم ہوتی ہے۔ مجنون کا قول ہے: تمثلی لیلیٰ بکل سبیل کہ ہر راستہ پر مجھے لیلیٰ نظر آرہی ہے۔ (یعنی لیلیٰ کا خیال اور تصور اتنا چھایا ہوا تھا کہ ہر چیز اس کو لیلیٰ نظر آرہی تھی)۔ یہی حال اس کا ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی صفات کھل جاتی ہیں تو اس کو اللہ ہی اللہ کارفرما نظر آتے ہیں۔

کارفرما ایک آتا ہے نظر

منکشف اب رازِ الا اللہ ہے

جب اللہ تعالیٰ انسان کے دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں تو پھر غیر باقی نہیں رہتا۔ حضرت شیخ خرازؒ کا قول ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْن کہ نیکوں کی نیکیاں مقربین کے لئے برائیاں ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایک MA کا طالب علم ہے اور ایک چوتھی جماعت کا طالب علم ہے، استاد نے دونوں کو کہا کہ نیکی پر مضمون لکھو۔ دونوں نے نیکی پر مضمون لکھا چوتھی جماعت والے کو ۲۵ نمبروں میں سے ۲۰ نمبر اور MA والے کو ۲ نمبر ملے MA والے نے شکایت کی کہ میں نے بھی تو اس چوتھی جماعت والے لڑکے کی طرح مضمون لکھا ہے ۔ استاد نے کہا کہ پگلے تو MA کا طالب علم ہے اور وہ چوتھی جماعت کا، اگر تو بھی اسی کے معیار کا مضمون لکھتا ہے تو پھر تیرے MA کی کیا ضرورت ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

کارِ پاکاں راقیاس از خود مگیر

گرچہ باشد درنوشتن شِیر شَیر

شِیر آں باشد کہ مرد او را خورد

شَیر آں باشد کہ مردم را درد

ترجمہ: پاک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس نہ کر، اگرچہ لکھنے میں شیر (درندہ) اور شیر (دودھ) یکساں ہوتا ہے۔ شِیر تو وہ ہے جس کو آدمی پیتا ہے اور شَیر وہ ہے جو آدمیوں کو پھاڑتا ہے۔

یعنی پاکوں اور مقبولوں کے کام کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ بظاہر اس میں اگر تشابہ بھی ہو لیکن حقیقت میں بہت بڑا فرق ہوگا۔ جیسے شیر (دودھ) اور شیر دونوں ایک ہی طرح کے لکھے جاتے ہیں لیکن دودھ کو انسان پیتا ہے اور شیر انسان کو چیرتا پھاڑتا ہے۔ ایک عمل نبی کرتا ہے اور ایک عمل غیر نبی کرتا ہے ایک عمل ولی کرتا ہے اور ایک عمل غیر ولی کرتا ہے دونوں کے عمل میں فرق ہوتا ہے خطبہ ماثورہ میں نَسْتَعِیْنُہٗ کے بعد وَنَسْتَغْفِرُہٗ

ہیکہ اے اللہ ہم سے تیری حمد کا حق ادا نہیں ہوسکا اور نہ تجھ سے مانگنے کا حق ادا ہوا۔ اس لئے ہم آپ سے اس کوتاہی پر معافی چاہتے ہیں۔

ہائے ہم کو مانگنا بھی نہیں آتا۔ استغفار بڑی نعمت ہے۔ پہاڑوں اور دریاؤں میں وہ قوت نہیں، جو استغفار میں ہے، گناہوں کا پہاڑ استغفار کے ایک سچے کلمہ سے اڑ جاتا ہے، پورے سمندر سے نہالو تو گناہ کی سیاہی نہیں اترے گی، سچے دل سے استغفار کہہ دیا تو گناہ دھل گیا۔ ندامت کا ایک آنسو بہہ گیا تو گناہ دھل گیا، سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ گناہ کیا ہی نہیں۔ بڑے لوگ تو اپنی حمد و اطاعت پر بھی استغفار مانگتے ہیں کہ خدا کی شان کے لائق حمد و طاعت نہ کر سکے اور نہ خدا کی حمد و طاعت کا حق ادا کر سکے۔

عاصیاں از گناہ توبہ کنند

مقبلاں از اطاعت استغفار

ترجمہ: گنہگار تو گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور اللہ کے مقبول بندے نیکی کر کے بھی استغفار کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی طرف ایک قول منسوب ہے کہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکا تیرے شکر کا حق ادا نہ کر سکا اور نہ تیرے ذکر کا حق ادا کیا۔ جب اللہ کی عظمت کھلتی ہے تو اپنا ہیچ در ہیچ ہونا اور اپنی کمی کوتاہی اور گناہوں کا استحضار اس طور پر انسان کے اندر آ جاتا ہے کہ اپنی نیکیاں بھی انسان کو گناہ نظر آتے ہیں۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جب اپنے اوپر نگاہ ڈالتا ہوں تو کوئی ایسی نیکی اور عمل نظر نہیں آتا جو اُس کی شان کے لائق ہو اور اس کے دربار میں پیش کرنے کے قابل ہو۔ پس جتنی عظمتِ ربّانی کھلتی چلی جائیگی اپنے اعمال کی کمی کوتاہی اور نقائص نگاہوں کے سامنے واضح ہوتے چلے جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے بارے میں ایک توجیہہ تو یہ ہے کہ اپنی اُمت کے لئے استغفار کیا کرتے تھے ممکن ہے کہ ایک پہلو یہ بھی ہو دوسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عبدیت کا انتہائی غلبہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور معرفت اتنی کھلی ہوئی تھی کہ اپنے اونچے اعمال بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کے لائق معلوم نہیں ہوتے تھے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ پہاڑ ان لوگوں کے لئے جو زمین پر رہتے ہیں اونچے ہیں اور جو لوگ آسمانوں پر رہتے ہیں ان کے لئے بہت پست ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم معرفت کی جس رفعت اور عبدیت کے جس مقام پر فائز تھے باوجود کمالات خوبیوں اور جمال کے وہ اعمال جو تمام اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں وہ پست نظر آتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم باوجود معرفت کی انتہائی بلندی کے اپنے اعمال پر استغفار کرتے تھے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمل بھی پوری مخلوق پر تقسیم ہوجائے تو پوری مخلوق کی مغرفت کیلئے کافی ہے۔ بڑوں کے استغفار کی نوعیت اور ہے اور چھوٹوں کے استغفار کی نوعیت اور ہے۔ گناہ بعض اوقات سلبِ ایمان کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندے ڈرتے ہیں اور ڈر کی وجہ سے کانپتے ہیں کہ کہیں ہمارے اعمال ہمارے ڈوب جانے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ مشہور صحابی حضرت حنظلہؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ان کے دل کی وہ کیفیت اور حالت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اور صحبت میں ہوا کرتی تھی وہ گھر میں اور بال بچوں کے درمیان نہ رہی تو نَافَقَ حَنْظَلَةُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ پکارتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واقعہ بتانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ جو حالت میری مجلس میں ہوتی ہے اگر یہی حالت ہر وقت ہوا کرے تو فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگیں لیکن اے حنظلہ یہ حالت کبھی کبھی ہوا کرتی ہے۔ حضرت ابن ابی ملیکہ ایک تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں تیس صحابہؓ سے ملا ہوں اور ہر ایک کو اپنے اوپر منافق ہونے کا خطرہ تھا۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اپنے ایمان سے کلیتاً مامون منافق ہوتا ہے۔ اس بنا پر خطبہ میں ﴿نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ﴾ پڑھا کرتے ہیں جس میں ایمان کی تجدید کرتے ہیں۔ ایمان اس کو کہتے ہیں کہ میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ ہے اپنے ناموں کے ساتھ اور اپنی صفات کے ساتھ، اللہ کے تمام ناموں کے ساتھ اللہ کی ذات پر ایمان لے آیا، اللہ تعالیٰ کی ہر بات اور ہر وعدہ پر یقین کرلیا۔ تو جب یقین کرلیا کہ سب کچھ خدا میں ہے تو اس کے نتیجہ میں توحیدِ کامل اور توکل پیدا ہوگا۔ اسباب سے یقین ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر جم جائے گا۔ <u>توکل یہ ہے کہ اسباب تو اختیار کرے لیکن یقین اسباب پر نہ ہو بلکہ اللہ کی ذات پر ہو۔ اسباب بے کار نہیں لیکن اسباب پر مدار نہیں۔</u>

یہ اسباب ہیں دست قدرت میں یوں قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے

بوعلی قلندرؒ فرماتے ہیں۔

عقل براسباب می دارد نظر
عشق می گوید مسبب را نگر

عقل کہتی ہے کہ اسباب کو دیکھو۔ ایمان کہتا ہے کہ مسبب الاسباب یعنی اللہ کی ذات کو دیکھو۔

متوکل آدمی جب اسباب کو اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اختیار کرے گا اور اسباب

کوارباب کا درجہ نہیں دے گا۔

گفت پیغمبر بآوازِ بلند

بر توکل زانوئے اشتر به بند

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز کے ساتھ فرمایا کہ توکل کرتے ہوئے اونٹ کے گھٹنے کو باندھ دو۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے تھے کہ قرآن نے سورۃ یوسف میں جو واقعات بیان کئے ہیں اس میں یعقوب علیہ السلام کی تدبیر اور توکل کی جامعیت کو کھولا ہے۔ چنانچہ جب ان کے بیٹے غلہ لینے مصر جا رہے تھے تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ط وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ط اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ج وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (یوسف:۶۷)

ترجمہ: اور (چلتے وقت) یعقوب (علیہ السلام) نے (ان سے) فرمایا کہ اے میرے بیٹو سب کے سب ایک ہی دروازے سے مت جانا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا، اور خدا کے حکم کو تم پر سے نہیں ٹال سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا (چلتا) ہے (باوجود اس تدبیر ظاہری کے دل سے) اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر اور بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

انسان کو دو چیزیں مارتی ہیں ماضی میں گناہوں کا وبال اور مستقبل میں نفس و شیطان کی شرارتیں۔ شیطان کی مثال سمجھو ہندوستان کی اور نفس کی مثال سمجھو بنگلہ دیشوں کی۔ ہندوستان بنگلہ دیش کو جُدا نہیں کرسکتا تھا اگر بنگالی اس کو خوش آمدید نہ کہتے۔ بنگالی گھر کے بھیدیوں نے لنکا ڈھادیا (ان دنوں سقوطِ ڈھاکہ ہوا تھا)۔ جب نفس شیطان کی مان لیتا ہے تو گناہ ہوجاتا ہے۔ کل قیامت کے دن شیطان کہے گا

وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ج فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ط (ابراھیم:۲۲)

ترجمہ: اور میرا تم پر تو کچھ زور نہ چلتا تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا سو تم نے (باختیار خود) میرا کہنا مان لیا تو تم مجھ پر (ساری) ملامت مت کرو اور (زیادہ) ملامت اپنے آپ کو کرو، نہ میں تمہارا مددگار (ہوسکتا) ہوں اور نہ تم میرے مددگار (ہوسکتے) ہو۔

کس قدر آتی ہنسی ہے حضرتِ انسان پر کاربد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

اس لئے فرمایا۔

﴿نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّآتِ اَعْمَالِنَا﴾۔

پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ کی اپنے نفس کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے۔

اعمال کی سیاہی اور برائی دل کو خراب کر دیتی ہے۔ایک عمارت پر خوب بارش ہوتی ہو تو اس کی مٹی نرم ہو جاتی ہے اور پھر پانی کے ایک ریلے سے منہدم ہو جاتی ہے۔گناہوں سے خیر کی عزیمت مضمحل ہو جاتی ہے۔پھر اسی دُعا میں فرماتے ہیں اگر تو ہدایت دے تو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور تو گمراہ کرے تو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ ﴿مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾۔

۱۔ نسبت کے رسوخ پا لینے سے کیا مُراد ہے؟

۲۔ کیا مُرشد کے علاوہ دیگر بزرگوں کے پاس بقصدِ استفادہ جاسکتا ہے؟

۳۔ مزارات پر کوئی اس قصد سے جاسکتا ہے کہ اس کی صحبت میسر ہو یا فیض حاصل کرنے کی نیت ہو؟

حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

حاصل ہو مجھے ہر دم اک حال حضوری کا

آ دل میں میرے آ جائے صورت جانان

۱۔ نسبت کے رسوخ سے مُراد یہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی یاد، ذکر اور طاعت پر دوام میسر آ جائے اور اللہ کی طرف سے رضا مندی کا تعلق قائم ہو جائے۔نبیوں اور صحابہ کرام کے لئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی کا ظہور تو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔اولیاء اللہ کیلئے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی توفیقاتِ خیر سے بہرہ مند کر دیتے ہیں اور ان کا غالب حال استقامت علی الدّین پر ہوتا ہے۔سُنت پر استقامت، بدعات سے نفور، گُناہوں سے اپنے آپ کو بچانا اور ذکر کا دل میں جم جانا نسبت کے ظاہری آثار ہیں۔باقی موٹی سے بات یہ ہے جس کو عام محاورہ میں لگن کہتے ہیں یعنی ان کو خدا کی لگن لگی ہوئی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دھن اور دھیان ان پر چھایا ہوا اور مستولی ہوتا ہے۔اور یہ دھن اور دھیان اللہ تعالیٰ کے احکامات اور سُنت کے تابع ہوتا ہے۔گویا بندہ کی طرف سے وفا شعار اور حاضر باش غلام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس بندہ کے ساتھ لطف وانعام والا معاملہ ہوتا ہے۔جب اس حالت کا غلبہ اور رسوخ ہو جاتا ہے تو اس کو نسبت کا رسوخ کہتے ہیں۔

۲۔ اپنے مُرشد کے علاوہ دوسرے بزرگوں کی صحبت میں برکت واستفادہ کی نیت سے جا تو سکتا ہے۔ لیکن اصلاح اور معالجہ معمولات وذکر وغیرہ کا تعلق صرف اپنے شیخ سے رکھنا چاہئے۔ جس طرح دو ڈاکٹروں کا مریض انتشار سے نہیں بچ سکتا۔ اسی طور پر مختلف شیوخ سے اصلاح کرانے والا پراگندگی میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس سے مُراد یہ نہیں کہ دوسرے شیوخ اپنے شیخ سے کم تر ہیں اور وہ اپنے شیخ سے اچھے اور افضل نہیں ہیں لیکن جس طرح ہر بچہ اپنی ہی ماں کے پیٹ میں بنتا اور پرورش پاتا ہے اور اپنی ماں کے دودھ سے پلتا ہے اس طرح ہر مرید حقیقتاً اپنے شیخ ہی سے فیض پاتا ہے اگر کسی دوسرے شیخ سے کبھی فیض پہنچا ہے تو وہ بھی اپنے شیخ کا ظہور و برکت ہوتی ہے کہ جملہ شیوخ حقانی ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں۔

۳۔ مزارات پر حاضری دُعا کی نیت سے ہوسکتی ہے۔ مبتدیوں کے لئے استفادہ بالقبور خطرات سے خالی نہیں، ان میں عقیدہ کے خطرات ہیں۔ استفادہ بالقبور منتہیوں کے لئے ہے نہ کہ مبتدیوں کے لئے۔ اور اس کی نوعیت یہ ہے کہ استفادہ بھی ان ہی صاحب نسبت بزرگوں کے مزارات سے ہوسکتا ہے جن کی نسبتیں باہم مماثل ہوں اور طبیعتوں میں مناسبت ہو۔ اس چیز کا پتہ متبدیوں کو نہیں چل سکتا۔ منتہی قبر کے انوارات سے اس چیز کو محسوس کر لیتا ہے۔ ہر ولی کا اپنا لون ہوتا ہے۔ اگر صاحب قبر اور حاضری دینے والے بزرگ کے الوان مماثل ہیں تو نسبت میں ایک گونا قوت آ جاتی ہے۔ لیکن مستقلاً اصلاح اور تربیت صاحب مزار بزرگوں سے نہیں ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسے سمجھئے کہ سردی کے موسم میں آپ آگ کی انگھیٹی کے پاس جا بیٹھے تو آپ تپش سے فائدہ اُٹھالیں گے لیکن جب آپ انگھیٹی سے دور ہو جائیں گے تو تپش ختم ہو جائے گی۔ مبتدیوں کے لئے فیض کے حصول کا آسان طریقہ صاحبِ قبر سے یہ ہے اور یہ تبرعاً (احسان کے طور) بتا رہا ہوں کہ جب کسی مزار پر جائے تو الحمد شریف چار قُل اوّل اور آخر میں دورد شریف پڑھ کر صاحب مزار کی روح کو بخش دے اور یہ تصور کرے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو رحمتیں صاحب مزار پر نازل فرما رہے ہیں ان رحمتوں کا کچھ حصہ مُجھ پر بھی آ رہا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا فعل سمجھے نہ کہ صاحبِ مزار کا۔ توحیدِ کامل کے رسوخ کے بغیر استفادہ بالقبور شرک کا موہم بن سکتا ہے۔ منتھی کا معاملہ ایسا ہے کہ جیسے ایک آئینہ دوسرے آئینہ کے متقابل ہو جاتا ہے۔ اگر صاحبِ مزار اور زائر میں مناسبت تامہ ہے تو اس کی روح پر جن انوارات اور تجلیات کا نزول ہوتا ہے، ان کا انعکاس زائر کے قلب اور روح پر بھی ہوگا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ بعض اوقات یہاں تک ہو جاتا ہے کہ صاحب مزار کی روح کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ بعض علوم اور انوار کا فیضان منتہی زائر کے قلب پر کر دیتے

ہیں۔اس بارے میں شاہ معین الدین اجمیریؒ نے علی ہجویری داتا گنج بخش کے بارے میں کہا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں راپیر کامل کا ملاں را رہنما

ترجمہ: دنیا کوفیض کے خزانے بخشنے والا، اللہ کے نور کا مظہر ناقصوں کے لیے کامل پیر اور کاملوں کے لیے رہنما۔

جس طور پر معجزہ نبی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اسی طور پر کرامت ولی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اسی طور پر صاحبِ مزار سے استفادہ حقیقتاً صاحبِ مزار کا فعل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی فاعلیت کا ظہور ہے۔اس میں مبتدعین اور اہل حق میں فرق ہے، مبتدعین صاحب مزار کو فاعل سمجھتے ہیں اور اہل حق اللہ تعالیٰ کو فاعل سمجھتے ہیں۔ یہ اتنے باریک مسائل ہیں کہ ان میں توحید وشرک وبدعت میں اعتباری فرق قائم رکھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معاملہ ہے یہ نصوص سے ثابت ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوکر سلام پیش کرتے ہیں۔آپ ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔آپ دیکھتے بھی ہیں اور سُنتے بھی ہیں۔ فیضانِ نبوت کا ملنا وہاں یقینی ہے، باقی اولیاء اللہ سے فیضان کے حصول کی بات ظنی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اتنی محیط گہری اور ہمہ گیر ہے کہ جو اُمتی بھی جائے گا وہ فیض پائے گا۔گو اولیاء میں بعض بہت قوی نسبت والے ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ مزاجوں میں باہم توافق بھی ہو۔گو اکابر اولیاء کی برکات سے انکار نہیں لیکن ان برکات کے دینے میں ان کا ذاتی دخل نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ہم جو مزارات کے بارے میں پابندیاں لگاتے ہیں ان کی اصل اتنی ہے کہ توحید دین کی بنیاد ہے اور کہیں انسان مزارات پر جاکر صاحب مزار کو سب کچھ سمجھ کر اور اس سے مُرادیں اور ضروریات مانگ کر شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ منتہی کے لئے مخلوق محض ایک آلہ ہوتی ہے۔اس پر فاعلیت حق غالب ہوتی ہے اور وہ غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں محض ایک آلہ سمجھتا ہے۔

مزارات پر جاؤ تو عبرت حاصل کرو، کچھ پڑھ کر ان کی روح کو بخش دو اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو کہ اے اللہ جو خیر وبرکت تو نے ان صاحبِ قبر کو عطا کی ہے، اس سے اور ان کے اعمال صالحہ سے مُجھے بھی حصہ عطا فرما۔بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ منتہی کو ان سے نقصان نہیں ہوتا لیکن مبتدی کو ان سے نقصان پہنچتا ہے۔ عامۃ الناس کی زبان پر پیران پیر حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک قصہ مشہور ہے۔ پیران پیر کی کرامات بہت مشہور ہیں اور بارش کی طرح ان سے کرامات کا ظہور رہا ہے۔ایک دفعہ ان کی ہمشیرہ نے اپنے بیٹے کو ان کی

خدمت میں بھیجا کہ حضرت اس کی تربیت کریں۔ایک دن ان کی ہمشیرہ بیٹے کو دیکھنے کے لئے آئیں۔دیکھا کہ حضرت پیران پیرؒ مُرغا کھا رہے ہیں اور بھانجے کے سامنے دال رکھی ہوئی ہے۔ہمشیرہ کہنے لگی کہ تُجھے بچہ پر رحم نہیں آتا کہ خود تو مُرغا کھا رہے ہو اور اُس کو دال کھلا رہے ہو۔حضرت نے کہا کہ تو نے اس کو تربیت کے لئے بھیجا ہے اور تربیت میری مرضی کے مطابق ہوگی۔پھر جو ہڈیاں تھیں ان کو جمع کیا اور کہا قم باذن اللہ تو مُرغا پھر زندہ ہوگیا پھر ہمشیرہ سے کہا کہ جب یہ اس طرح کا کام کرلے گا تو یہ بھی پھر مُرغا کھانے کے قابل ہوجائے گا۔

حضرت کا مفہوم یہ تھا کہ یہ ابھی مبتدی ہے کہ اگر ابھی سے اس کو دُنیا کی لذت میں مبتلا کیا اور مجاہدات کی گھاٹی سے نہیں نکالا تو اس کی تربیت نہ ہوسکے گی۔ایک موٹا اور چنگا بھلا آدمی ہے اس کو کوئی بیماری ہے ڈاکٹر نے اس پر گوشت و روٹی بند کی،اور پھر ایک نحیف و کمزور آدمی آیا ڈاکٹر نے اس کو یہ تمام چیزیں کھانے کی اجازت دی۔کسی نے اعتراض کیا کہ ایک کو تو اچھے کھانوں سے روک دیا اور دوسرے کو اجازت دی ڈاکٹر نے کہا کہ جب وہ تندرست ہوجائے گا تو اس کو بھی کھانے کی اجازت مل جائے گی۔

ذکر کے اثرات کا ظہور معاملات،معاشرت،عبادات،اخلاق اور اس طرح زندگی کے ہر شعبہ میں ہونا چاہیئے۔وہ ظہور کیسے ہوگا۔اللہ کی یاد میں جب انسان آجاتا ہے تو وہ خدا کی مان کر دکھاتا ہے۔ظہورِ ذکر طاعتِ ربّانی سے ہویدا ہوتا ہے۔جتنا ذکر بڑھتا جائے اُتنی طاعتِ الٰہی اور اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بڑھتا جائے۔ذکر یاد کو کہتے ہیں۔بقول حضرت تھانویؒ سپاہی کی ہتھکڑی کو دیکھتے ہوئے چور چوری نہیں کرتا۔اسی طور پر جب رب کو یاد کرے گا تو اس کے احکام کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

☆☆☆☆☆

طبرانی نے ایک معتبر سند کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو مقدمہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوگا وہ مرد اور اس کی بیوی کا ہوگا اور بخدا وہاں زبان نہیں بولے گی بلکہ عورت کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ اپنے شوہر پر کیا کیا عیب لگایا کرتی تھی اور اسی طرح مرد کے ہاتھ پاؤں اس پر گواہی دیں گے کہ وہ کس طرح اپنی بیوی کو تکلیف وایذا پہنچاتا تھا۔اس کے بعد آدمی کے سامنے اس کے نوکر چاکر لائے جائیں گے اور ان کی شکایات کا فیصلہ کیا جائے گا۔پھر عام بازار کے لوگ جن سے اس کے معاملات رہے تھے وہ پیش ہوں گے اگر اس نے ان میں سے کسی پر ظلم کیا تو اس کا حق دلوایا جائے گا۔

حضرت سید سعید اللہ مازارہ

حفاظتِ قرآن مجید (قسط نمبر:۶)

کیفیتِ کتابتِ قرآن مجید:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَلاَ تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِکَ اِذًالَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ"

ترجمہ: اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ حق ناشناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔

اس لئے جب آیات نازل ہوجاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کاتب کو بلاتے اور یہ آیات جس سورت کی ہوتیں اُس سورت میں ان کی متعین جگہ میں ان کے لکھنے کا حکم فرماتے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں:

کان رسول اللّٰہ علیه و سلّم تنزل علیه السورة ذات العدد. فکان اذا نزل علیه الشیئی دعا بعض من کان یکتب فیقول صعوا ھٰؤلای الأیات فی السورة التی یذکرفیھا کذا الحدیث (الحاکم: المستدرک۲:۲۲۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں نازل ہوا کرتی تھیں اس لئے جہاں آپ پر کچھ قرآن نازل ہوا کرتا آپ فوراً کاتبانِ وحی میں سے کسی کو بلوا کر حکم دیتے کہ اس آیت کو اس سورۃ میں درج کرو جس میں ایسا ایسا ذکر آیا ہے"۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **کنت اکتب بین یدی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلّم فی کتف "لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاھدون" وابن ام مکتوم عندالنبی صلی اللہ علیه وسلم فقال یارسول اللّٰہ قدانزل اللّٰہ تعالٰی فی فضل الجھادماانزل وانارجل ضریر فھل لی من رخصةٍ؟ فقال النبی صلی الله علیه وسلم لاادری.قال زیدوقلمی رطب ماجَفَّ اذغشی النَّبی صلی الله علیه وسلم الوحی ووقع فخذہ علی فخذی حتی کادت تدق من ثقل الوحی ثم جلی عنه :فقال لی:اکتب یازید غیر اولی الضرر"** (الآلوسی: روح المعانی ۵:۱۱۰) ترجمہ: "میں شانہ کی چوڑی ہڈی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو **"لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ"** لکھتا تھا کہ ابن ام مکتومؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیشک اللہ تعالیٰ نے جہاد کی فضیلت میں آیات نازل فرمائیں۔ حالانکہ مین معذور شخص ہوں تو کیا میرے لئے رخصت ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں

جانتا۔ زید فرماتے ہیں میرا قلم تر تھا خشک نہیں ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک میری ران پر پڑی تھی قریب تھا کہ میری ران وحی کی ثقل کی وجہ سے پھٹ جاتی اس کے بعد وحی کا ثقل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے زید لکھو ''غَیرِ اُوْلِی الضَّرر'' نیز آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **کنت اکتب الوحی عندرسول اللّٰہ علیہ و سلّم وَھُو یُملِیُ عَلَیَّ فاذافرغتُ قال: اقراءہُ: فاقرء ہ فان کان فیہ سقط اقامہ** (محمد طاہر الکردی: تاریخ القرآن :۳۹) ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لکھا کرتا تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے لکھواتے جاتے تھے جب میں فارغ ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اس کو پڑھو تو میں اسے پڑھتا اگر اس میں کچھ عیب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم درست فرما دیتے۔

اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی ترتیب کے مطابق ان متفرق نوشتوں سے آیات اپنی اپنی سورتوں میں جمع کر دیتے جو نزول کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے گئے تھے جن کے صحف وہ اپنے پاس رکھتے۔ جیسا کہ زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں **کنا عندرسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع** (الحاکم: المستدرک ۲:۶۱۱) ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مجید رقاع (چمڑے کے ٹکڑوں) سے جمع کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تشریح میں ملا علی القاری نے کہا ہے: **ای یؤلفون ماینزل من الآیات المغرقة ویجمعونھا فی سورھاباشارتہ صلی اللہ علیہ وسلم** (ملا علی القاری: مرقاۃ المفاتیح ۱:۱۹۸) یعنی صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر متفرق طور پر نازل شدہ آیات کو اکٹھا کرتے اور اپنی اپنی سورتوں میں جمع کرتے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ قرآن مجید کے صحف اپنے پاس رکھتے جس میں وہ تلاوت فرماتے اور اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ سفر میں لے جانے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم فرمایا تھا۔ **لَا تُسَافِرُوْابِالْقُرْاٰنِ اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ** (السجستانی۔ السنن ۱:۳۵۱) ''دشمن کے علاقہ میں قرآن لے کر سفر مت کرو''

قرآن مجید کی کتابت مکّی دور میں:

مکی دور میں بھی قرآن مجید کی کتابت ہوتی رہی اور صحابہ کرام صحف کی صورت میں قرآن مجید اپنے پاس رکھتے۔ اس کا ثبوت وہ مکی سورتیں ہیں جن میں قرآن مجید پر کتاب یا صحف کا اطلاق کیا گیا ہے یا ایسے

الفاظ جن سے اس کا لکھا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ''فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَھَّرَۃٍ بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ کِرَامٍ بَرَرَۃٍ'' (سورۃ عبس:۱۳:۷-۱۶) ''تِلْکَ اٰیَاتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ'' (یوسف ۱:۱۲) ''کِتَابٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ'' (ابراھیم ۱:۱۴) ''تِلْکَ اٰیَاتُ الْکِتَابِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ'' (الحجر ۱:۱۵) وَالطُّوْرِ وَکِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ (الطّور ۵۲:۳) ''وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَھَا فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً'' (الفرقان ۲۵:۵) اور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی کہ جب آپؓ نے بہنوئی کو اسلام لانے کی وجہ سے زخمی کیا اور پھر بہن کو قرآن مجید دینے کے لئے کہا تو بہن نے قرآن مجید کے صحیفہ دینے سے انکار کر کے کہا: لَسْتَ مِنْ اَھْلِھَا ھٰذَا کِتَابٌ لَایَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (البیھقی: دلائل النبوۃ ۲:۴) ''تو اس کا اہل نہیں یہ ایسی کتاب ہے جس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے مگر وہ لوگ جو پاک ہوں'' موسیٰ جاراللہ روستوفدونی نے کہا ہے: وکان کتابۃ ما انزل من القرآن ملتزمۃ منھم حتّٰی زمن الاختفاء فی اوائل الاسلام اذ کان المسلمون یتدارسون القرآن من الصحائف فی البیوت (تاریخ القران والمصاحف) ''جو قرآن نازل ہوجاتا اس کی کتابت کو صحابہؓ نے اپنے اوپر لازم کیا تھا یہاں تک کہ ابتداء اسلام کے اختفاء (کہ مسلمان اپنے آپ کو کفار قریش سے چھپاتے تھے) کے زمانے میں بھی کیونکہ مسلمان اپنے گھروں میں قرآن صحیفوں میں پڑھتے۔'' اور پورے قرآن مجید کی کتابت کے بارے میں بتایا۔ فکان البنی صلی اللہ علیہ وسلم یملی علیھم مباشرۃً فیکتبون ما نزل بحضرتہٖ ویُعرفونَ علیہ مرۃً بَعْدَ اُخریٰ حتّٰی یُقِرُّھُمْ وَبِھٰذِہِ الکیفیۃ کُتِبَ القراٰن من اولہٖ الٰی اٰخرہٖ فی حیاۃ الرسول علٰی صحائف وقَراطِیسَ متفرِّقۃ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر خود املاء فرماتے رہے۔ صحابہ کرامؓ نازل شدہ آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھتے اور بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ پیش کرتے یہاں تک کہ آپؐ ان کو اس پر برقرار کرلیتے اس کیفیت کے ساتھ قرآن مجید اوّل سے لیکر آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں متفرق صحیفوں اور قرطاسوں پر لکھا گیا۔''

قرآن کا غیر قرآن کے ساتھ مختلط ہونے سے بچانے کا اہتمام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو قرآن مجید کا غیر قرآن کے ساتھ مختلط ہونے سے محفوظ رکھنے کی غرض سے یہ حکم فرمایا تھا۔ من کتب عنی غیر القراٰن فلیمحہ ''جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کوئی چیز لکھی تو اس کو مٹادے''۔ امام النووی نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے: وکان النھی حین خیف الختلاطہ بالقراٰن فلما امن ذالک اذن فی الکتابۃ. (یہ ممانعت اُس وقت تھی

جبکہ قرآن کے ساتھ اس کے مختلط ہونے کا خوف تھا۔ جب اس کا اندیشہ جاتا رہا تو (غیر قرآن) کی کتابت کی اجازت دی گئی) وقیل: **انما نھٰی عن کتابۃ الحدیث مع القراٰن فی صحیفۃ واحدۃٍ الئلا یختلط فیشتبہ علی القاری** (شرح النووی ۲: ۴۱۵) ''اور کہا گیا ہے کہ ایک ہی صحیفہ میں قرآن کے ساتھ حدیث کی کتابت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تا کہ (قرآن غیر قرآن کے ساتھ) مختلط نہ ہو جائے جس سے قاری اشتباہ میں پڑ جائے۔'' اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **۔خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم و نحن بکتب الاحادیث ، فقال ماھٰذا تکتبون ؟ قلنا: احادیث سمعنا ھامنک، قال: أکتابًا غیر کتاب اللّٰہ تریدون؟ ماا ضلَّ مِمَّن قبلکم اِلَّا ماا کتتبوامن الکتاب مع کتاب اللّٰہ تعالٰی** (عبدالعال سالم مکرم: القرآن الکریم واثرہ فی الدراسات النحویۃ :۳۰ بحوالۃ تقیید العلم ص ۳۳ للخطیب البغدادی) ترجمہ: ''(ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ایسی حالت میں نمودار ہوئے جبکہ ہم احادیث لکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا وہ احادیث جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کے سوا کوئی دوسری کتاب چاہتے ہو؟ تم میں سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے گمراہ کیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ اور کتابیں لکھ ڈالیں۔''

مصحف میں جمع نہ کرنے کی وجہ:

اگر چہ قرآن مجید کی تمام آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبوں سے لکھوائی تھیں مگر ایک مصحف میں جمع نہیں فرمایا تھا کیونکہ قرآن مجید کی ترتیب نزدلی ترتیب کے مطابق نہیں۔ کئی سورتوں کا نزول بیک وقت جاری رہتا۔ جب آیات نازل ہو جاتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاتب کو حکم فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں فلاں آیات سے پہلے اور فلاں آیات کے بعد رکھو۔ اس لئے جب تک قرآن کا نزول جاری رہا اُس وقت تک قرآن مجید کو مصحف میں جمع کرنا ناممکن تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ قرآن مجید کا نزول مکمل ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت کی ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے ہوئے نوشتوں سے ہر ہر سورت کی تمام آیات اپنی اپنی سورت میں جمع کی گئیں جن کے صحف یکجا جمع کئے گئے اور پھر حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھے ہوئے نوشتوں اور ابوبکر صدیقؓ کے جمع کردہ صحف سے مصاحف لکھے گئے۔ جیسا کہ بدرالدین الزرکشی نے کہا ہے:

وانمالم یکتب فی عھدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم مصحف لئلّایُفضی اِلٰی تغییرہٖ کل وقت فلھٰذا تأخَّرَتْ کتابتُہٗ اِلٰی ان کمل نزول القرآن بموتِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم فکتب ابوبکر والصحابۃ بعدہٗ ثم نسخ عثمان المصاحف التی بعث بھا الی الامصار (الزرکشی: البرھان ۱:۲۶۴) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس لئے مصحف نہیں لکھا گیا کہ ہر وقت اس کی تغیر کی ضرورت نہ پڑے اس لئے اسکی کتابت متأخر کی گئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ قرآن مجید کا نزول مکمل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور صحابہؓ نے لکھا پھر حضرت عثمانؓ نے وہ مصاحف لکھے جن کو انہوں نے مختلف شہروں میں بھیج دیا۔''

اور علامہ الکوثریؒ نے لکھا ہے:۔**ولم یمکن جمع السور و اٰیاتھا فی مصحف واحدٍفی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلملقصر المدۃبین زمن نزول اٰخرمانزل من القراٰن و زمن انتقالہ صلی اللہ علیہ وسلم الحی الرفیق الاعلیٰ ولم یمکن الجمع مقصورًا فی عھد استمرار النزول** (الکوثری: المقالات:۸) ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں سورتوں اور ان کی آیات کو ایک مصحف میں جمع کرنا ناممکن تھا کیونکہ قرآن مجید کی آخری آیات کے نزول اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے درمیان مدت تھوڑی تھی اور نزول کے جاری رہنے کے زمانہ میں جمع متصور نہ تھا۔''

اس بناء پر الدیر عاقولی کی اس روایت کردہ حدیث: ''**قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن القراٰن جمع فی شیئً**'' کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے اور قرآن مجید کی کتابت ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید مصحف میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔ مصحف میں جمع کرنا تب ممکن ہوتا جبکہ ترتیبِ نزولی ترتیبِ وقوعی کے مطابق ہوتی۔

اس حدیث کو جلال الدین السیوطی نے الاتقان میں نقل کیا اور مصحف میں جمع کرنے کے ناممکن ہونے کے بارے میں دلیل کے طور پر الخطابی کے اس قول کو ذکر کیا:

انمالم یجمع صلی اللہ علیہ وسلم القرآن فی المصحف لماکان یترقبہ من ورود ناسخ لبعضِ احجامہٖ اَوْتلاوتہٖ فلما انقضی نزولہٖ بِوفاتہ اَلْھَمَ اللّٰہ الخلفأالراشدین ذٰلک وفاءً البعھدہ الصادق بضمان حفظہٖ علیٰ ھٰذہ الامۃ فکان ابتداء ذٰلک علیٰ یدالصدیق بمشورۃعمر (السیوطی: الاتقان ۱:۵۷) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو مصحف میں

اس واسطے جمع نہیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعض احکام یا تلاوت کے نسخ کرنے والے حکم کے نزول کا انتظار باقی تھا مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے باعث قرآن کا نزول ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اُس سچے وعدہ کو وفاء کرنے کے لئے جو ان سے اس امت کی حفاظت کے متعلق فرمایا تھا۔ خلفاً راشدین کے دل یہ بات (قرآن کو جمع کرنے کی خواہش) ڈالی۔

پھر اس عظیم الشان کام کا آغاز حضرت عمرؓ کے مشورہ کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھوں سے ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''**لاتکتبوعنی شیئاغیر القرآن**'' کو نقل کر کے فرمایا: **وقد کان القرآنُ کتب کله فی عهد رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم لکن غیر مجوعٍ فی موضع واحدٍ ولامرتب السور** (الاتقان ا:۵۷) ''بیشک پورا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں لکھا گیا تھا مگر وہ سب ایک ہی جگہ جمع اور سورتوں کی ترتیب کے ساتھ نہ تھا۔''

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۰ سے)

پھر ہرگز نہیں تم عنقریب جان لوگے، ہرگز نہیں اگر تم جان لو پھر ہرگز نہیں اگر تم کو علم یقین حاصل ہو جائے۔ یقیناً تم جہنم کو دیکھو گے پھر تم اس کو یقین کی آنکھوں سے دیکھ لوگے، تم سے اس دن ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

اس سورت میں بار بار انسان کو یقین و معرفت اور مشاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے، دراصل فتنۂ نعمت انسان کے دل پر غفلت کے ایسے دبیز پردے ڈال دیتا ہے جو شدید ہولنا کیوں کے بغیر نہیں ہٹتے، جب انسان اصل حقائق کا مشاہدہ کرے گا تب ہی غفلتوں کے یہ پردے چاک ہوں گے۔ اسی لیے اس فتنہ کے اثرات زندگی کے آخری لمحات تک باقی رہتے ہیں اور انسانی زندگی کی ہر گھڑی اس فتنے کے خطرات میں گھری ہوئی رہتی ہے۔ اس طرح فتنۂ نعمت، اپنی مدت اور تاثیر دونوں اعتبار سے فتنۂ مصیبت کے مقابلے میں زیادہ خطرناک اور سنگین ہے۔

☆☆☆☆☆

جو شخص کسی عیب دار چیز کو اس کا عیب خریدار پر ظاہر کیے بغیر ہی بیچ دے اللہ کبھی اس سے خوش نہ ہو گا (جب تک کہ اس کی تلافی نہیں کرتا)۔ (ترمذی)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

حجِ مبرور (آخری قسط)

اب احکاماتِ حج کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنی ہیں۔اس موضوع پر شروع دور سے ہی کتابیں لکھنے کا رواج رہا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ حالات بدلتے رہے ہیں۔پرانی کتابیں تو آجکل کی مشکلات کو سامنے رکھ کر لکھی ہی نہیں گئیں مزید یہ کہ کتابوں میں مستحب ترتیب کو سامنے رکھ کر مناسک اور اعمال کو بیان کیا گیا ہے جبکہ آجکل کے مشکل حالات،انسانوں کا بے پناہ ہجوم گاڑیوں کی بھر مار انسانوں کے قویٰ کی کمزوری اور مزاج میں صبر و برداشت کا فقدان دینی انحطاط کی وجہ سے کسی کا خیال نہ رکھنا،مناسک کو پورا کرنے کی ترتیب میں اتنی مشکلات کا سامنے آجانا جس سے جان جانے کا حرج ہو ایسی باتیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے فرائض وواجبات کی ادائیگی مشکل بلکہ فوت ہونے کے حالات ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ مستحبات کو پورا کیا جائے۔مستحبات کو پورا کرنے کی کوشش میں حاجی اپنے لیے اور دوسرے حاجیوں کے لیے انتہائی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے مستحبات کا ثواب لینے کے لیے انسانوں کو شدید تکلیف پہنچانے کے حرام میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اس لیے بندہ کو اس بات پر غور کرنا پڑا کہ گزشتہ سالہا سال کے اپنے تجربہ اور اپنے کثرت سے حج کرنے والے ساتھیوں کے تجربے کی روشنی میں ایسے مشورے بہم پہنچائے جائیں جس کی روشنی میں مناسک کے فرائض وواجبات فوت ہونے سے بچ جائیں اور اپنی جان اور دوسرے افراد کے شدید حرج میں مبتلاء ہونے سے حفاظت ہو جائے۔

سب سے پہلا مشورہ اس کوتاہی کے بارے میں ہے کہ عام طور پر فریضۂ حج کے بارے میں یہ سوچا جاتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں ادا کریں گے حالانکہ بلوغ،عقل،اسلام،صحت،مالی استطاعت اور راستے کا امن یہ شرائط موجود ہوں تو بلاوجہ تاخیر انتہائی محرومی اور کم نصیبی کی بات ہے۔بڑھاپے میں جانے والے افراد اپنے لیے اور دوسروں کے لیے پریشانی کا ذریعہ بنتے ہیں اس لیے فرض ہوتے ہی صحتمند حالت میں فوراً ادائیگی کی فکر کرنی چاہیئے۔

سفر مکمل کر کے جب آدمی مکہ مکرمہ پہنچتا ہے تو انتہائی تھکاوٹ ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی فوری طور پر بیت اللہ شریف پر پہنچے کا جذبہ وشوق ہوتا ہے۔چنانچہ ٹھکانے تک پہنچ کر سامان صحیح طور سے سنبھال کر اور اتنا آرام کر کے جس سے کم از کم ہوش وحواس ٹھکانے ہو جائیں ان باتوں کا خیال نہ کرتے ہوئے فوراً حرم شریف پہنچ جاتے ہیں۔نہ اپنا کارڈ ساتھ لیے ہوئے ہوتے ہیں،نہ معلم کا کارڈ ہوتا ہے اور نہ عمارت کا کارڈ ہوتا ہے۔

اتنے وسیع وعریض علاقے میں جس میں گلیاں ہی گلیاں، سڑکیں ہی سڑکیں اور عمارتیں ہی عمارتیں ہوتی ہیں واپس ہونے پر آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل گمشد (Disoriented) ہے۔ کئی لوگوں کو دو دو تین تین دن اس حالت میں گزارنے پڑتے ہیں، پیسے نہ ہونے کی وجہ سے کھانے پینے کا بھی مسئلہ بنا ہوتا ہے اور اشد تکلیف میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ تذکرہ شدہ کارڈوں کو لے کر دو تین وقت کے کھانے کے پیسے اپنے پاس رکھتے ہوئے علاقے کا اتہ پتہ پورا معلوم کرتے ہوئے اپنے سمجھدار ساتھیوں کے ساتھ جانا آنا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی مذکورہ بالا تکالیف سے بچ جاتا ہے۔

منیٰ عرفات مزدلفہ میں بھی اپنے معلم کی بس اپنے ساتھی، اپنا خیموں کا احاطہ ان سب کی سخت پابندی کرنی ہوتی ہے۔ یہاں پر منیٰ وعرفات کے خیموں کے علیحدہ کارڈ ہوتے ہیں جو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے ہوتے ہیں۔ اگر بلا وجہ آدمی ادھر ادھر نکلا تو یہاں پر بھی گمشد ہونے کا انتہائی خطرہ ہوتا ہے۔ نمازیں بھی اپنے خیموں میں جو جماعتیں ہو رہی ہوں وہیں پڑھنا چاہئیں۔ مسجد نمرہ اور مسجد خیف تک پہنچنے کی کوشش میں انتہائی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

اشد مشکلات منیٰ میں رمی یعنی شیطانوں کو کنکر مارنے کا اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے وقت پے آتی ہیں۔ حجر اسود کے بارے میں تو یہ عرض ہے کہ جب رش کے وقت میں صرف ہاتھوں کا اشارہ کر کے ان کو چومنا حجر اسود کو بوسہ دینے کا قائمقام بنایا گیا ہے تو ایسے وقت میں بالکل پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ ہم نے حجر اسود کو بوسہ نہیں دیا بلکہ اشارے سے پورا ثواب اور پوری برکات حاصل ہو جاتی ہیں۔

مشکل ترین بات دس ذی الحجہ کی رمی ہے۔ اس کے بارے میں ترتیب یہ ہے کہ طلوع فجر سے لیکر زوال تک مستحب وقت ہے، زوال سے لیکر مغرب تک جائز وقت ہے اور مغرب سے گیارہ ذی الحجہ کی طلوعِ فجر تک مردوں کے لیے مکروہ وقت ہے، عورتوں کے لیے مکروہ نہیں۔ آجکل کے مشکل حالات کی بناء پر مردوں کے لیے بھی مکروہ نہ ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں بندہ کے ساتھیوں کا اور خاص طور سے حاجی عبدالمنان صاحب (مقیم مکۃ المکرّمہ وخلیفہ حضرت مولانا محمد اشرفؒ) کا تجربہ یہ ہے کہ اگر مزدلفہ کا وقوف اگر ایسی جگہ کیا جائے کہ جہاں مزدلفہ کی آخری حد ہو اور منیٰ شروع ہو رہا ہو تو صبح کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر مزدلفہ کا وقوف کر کے اگر آدمی چل پڑے تو پیدل ایسے وقت میں بڑے شیطان تک پہنچ جاتا ہے کہ عام لوگ نہیں پہنچے ہوئے ہوتے تو یہ رمی آسانی سے ہو جاتی ہے۔ اگر مزدلفہ کے وقوف کے بعد سواری مل جائے تو اور جلدی پہنچا

سکتی ہے۔اگر آدمی نو بجے سے پہلے پہلے فارغ ہو کر نکل نہ سکا تو پھر نو تا ساڑھے بارہ انتہائی زیادہ رش ہوتا ہے ،پھر بہتر یہ ہے کہ عصر کے بعد یا مغرب کے بعد بلکہ آدھی رات کو یا بعد میں جا کر رمی کرے۔رش کے وقت میں علاوہ تکالیف کے اس بات کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ باوجود کنکریاں مارنے کے وہ صحیح جگہ تک نہ پہنچیں اور رمی ادا ہی نہ ہو،اس لیے مستحبات کے حصول اور مکروہات سے بچنے سے زیادہ ضروری یہ بات ہے کہ عمل کم از کم ادا ہو جائے۔اگر مستحبات کے حصول میں عمل کی ادائیگی متاثر ہو جائے تو دم واجب آنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

ایک ضروری بات قابلِ غور یہ ہے کہ حاجی نوافل اعمال میں اپنے آپ کو اتنی مشقت میں ڈال دیتے ہیں کہ بیمار پڑ جاتے ہیں نیز غارِ ثور اور غارِ حرا وغیرہ پر چڑھنے میں اتنی مشقت اٹھا لیتے ہیں کہ بیمار پڑ جاتے ہیں اور بیماری کی وجہ سے حج متاثر ہو جاتا ہے اور ساتھی بہت زیادہ تکلیف میں آجاتے ہیں اس لیے مشورہ یہ ہے کہ حج سے پہلے اپنے آپ کو آرام وراحت سے رکھ کر توانائی حج کے لیے محفوظ کرنی چاہیے۔حج مکمل ہونے کے بعد حسبِ توفیق مندرجہ بالا ساری باتیں کرنی چاہئیں۔

عام طور پر حاجی صاحبان جاتے ہی مختلف چیزوں کی خریداری کے لیے بازاروں کا چکر لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ان کی مجالس میں عام طور پر چیزوں کے نرخوں کا ہی تذکرہ چلتا رہتا ہے،ذہن اسی فکر میں مبتلاء ہو کر عبادت کے لیے یکسو نہیں رہتا اس کام کو سفر کے آخری دو ایک دنوں میں کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

حضرت انسؓ سے ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے انس!اگر تو غسلِ جنابت بہت خوبی کے ساتھ کرے گا تو بلاشبہ نہانے کی جگہ سے اس حال میں جدا ہو گا کہ کوئی گناہ اور خطا تجھ پر باقی نہ ہوگا (یعنی صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے)۔

حضرت انسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ!خوبی کے ساتھ غسل کس طرح کیا جاتا ہے؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،بالوں کی جڑوں کو تر کرے (کہ کسی بال کی جڑ خشک نہ رہ جائے) بدن پر پانی ڈال کر خوب مَل کر صاف کرے (کہ کہیں سوکھا رہنے کا احتمال نہ ہو) پھر شفقتاً فرمایا اے میرے پیارے بیٹے اگر تجھ کو ہر وقت باوضو رہنے کی طاقت ہے تو ایسا (ہی) کر (کیونکہ) جس کو باوضو ہونے کی حالت میں موت آئے تو اس کو شہادت (کا ثواب) مرحمت ہوگا۔(ابو یعلی)

☆☆☆☆☆

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

اہلِ سلاسل کی تین اقسام

بندہ کے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کی وفات کے بعد لوگوں کی اصلاح اور ذہنی اور معاشرتی الجھنوں اور مسائل کے حل کے لیے آمد و رفت شروع ہوئی تو ایک عجیب بات تجربے میں آئی وہ یہ کہ اس بات کو حاصل کرنے کے لیے لوگ مشائخ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اہلِ حق اہلِ باطل کی عام طور سے تمیز نہیں ہے جو لوگ اہلِ باطل اور اناڑی لوگوں کے ہاں پھنس جاتے ہیں اس کے نتیجے میں وقت اور مال ضائع کرنے کے باوجود مزید پریشانیوں میں مبتلاء ہو جاتے ہیں، اس چیز نے ذہن میں غور و فکر کی تحریک پیدا کی جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ اہلِ سلاسل اور اہلِ تصوف کئی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ نوعیت کے مطابق ان کے اثرات اور نتائج ہوتے ہیں۔ عمومی طور پر ایک گروہ مخلصین محققین اور کاملین کا ہے، ایک گروہ مخلصین لیکن غیر محققین کا ہے، ایک گروہ غیر مخلصین کا ہے۔

مخلصین محققین اور کاملین کا گروہ سلسلے کو سارے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر چلا رہا ہوتا ہے۔ ان کے اعمال و افعال قرآن و حدیث اور ائمہ مجتہدین کی قائم کردہ پختہ بنیادوں پر ہوتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر غیر ضروری باتوں سے وہ پرہیز کرتے ہیں۔ عقائد کی درستگی، بدعات سے پرہیز اور اتباعِ سنت ان کی ترجیحات ہوتی ہیں۔ عقائد عبادات، معاملات اخلاقیات اور معاشرت سب چیزوں پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے۔ مرید اور آنے والے طالب کے عقیدے سے لیکر اس کی صحت، کاروبار، خاندان برادری، ملکی اور عالمی اسلامی مفادات سب چیزوں کا لحاظ رکھتے ہوئے مرید کی تربیت اور طالب کے مسائل حل کرنے کے لیے راہنمائی کرتے ہیں اور فائدۂ عام کے بجائے فائدۂ تام کا خیال رکھتے ہیں اور طالب کی شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہوئے آدمی سب راستوں سے انتہائی حفاظت کے ساتھ گزر کر اپنے دنیوی اور اخروی مقاصد کو حاصل کر لیتا ہے۔

دوسرا گروہ مخلصین لیکن غیر محققین اور غیر کاملین کا ہے یہ لوگ اگرچہ اخلاص کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں لیکن کسی وجہ سے قرآن و حدیث اور فقہائے مجتہدین کی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے الجھی ہوئی ڈور کا سرا معلوم کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں صرف عبادات اور اس میں بھی نوافل اور مجاہدات پر زور دیا جاتا ہے اور کیفیات اور جذبات کو اصل سمجھا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ہاں شریعت کا جامع تصور نہیں ہوتا۔ مرید کے دنیوی، اخروی نیز انفرادی اجتماعی مفادات کو سامنے رکھ کر چلانے کے قابل نہیں

ہوتے۔ایسے لوگوں کا عقائد کے بارے میں خطرناک غلطیوں میں مبتلاء ہونا، معاملات میں کوتاہی، اخلاقیات میں کمزوری اور معاشرت میں کم فہمی بدعات میں مبتلاء ہونا خاص طور سے دیکھنے میں آتا ہے۔اگر خاوند ایسے لوگوں کے ہتھے چڑھ جائے تو اس کے ہاتھوں بیوی بچے مصیبتوں میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اور بیوی ہتھے چڑھ جائے تو خاوند کو سر پیٹنا پڑتا ہے۔کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک وظائف پڑھنا اور معمولات کی پابندی کرنا ہی سارا تصوف ہوتا ہے، زندگی کے باقی شعبے اور اعمال ان کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں، مزید یہ کہ ان حضرات کے نزدیک اعمال اختیاریہ کی جگہ انفعالاتِ غیر اختیاریہ اہم ہوتے ہیں۔یعنی شریعت کے وہ فرض واجب اعمال جن کی بجالانا ضروری ہے انکی توفیق اور ان پر پختگی ان حضرات کے نزدیک کمال نہیں سمجھا جاتا بلکہ رونے دھونے کی کیفیات، ذکر میں مزہ، تلاوت میں سوز وگداز کی کیفیات ہی اصل سمجھی جاتی ہیں جو حاصل ہونا کسی کے اختیار میں ہی نہیں ہے، کبھی حاصل ہوں گی اور کبھی حاصل نہیں ہوں گی۔جبکہ اصل الاصول یہ بات ہے کہ روز بروز باطن سے رذائل یعنی کبر، حسد، لالچ، کینہ دور ہوتے جا رہے ہوں اور ان کی جگہ تواضع، ہمدردی، خیر خواہی اور اخلاص پیدا ہوتا جا رہا ہو اور ظاہری شریعت کے اعمال کی توفیق بڑھتی جا رہی ہو۔محققین کے نزدیک یہ اس بات کی علامت ہے کہ آدمی ترقی کر رہا ہے۔

غیر مخلصین کا گروہ: یہ تو ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو بزرگوں کی گدیاں مفت میں مل جاتی ہیں جو ہزاروں لاکھوں روپے آمدنی کا ذریعہ ہوتی ہیں۔گدی نشینوں کی اپنے علاقوں میں سیاسی حیثیت بھی قائم ہو چکی ہوتی ہے۔اپنی ان حیثیتوں کو بہر حال وہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی جگہ پر لوگوں کی آمد و رفت ہو، وہ اصلاح پا رہے ہوں یا نہ پا رہے ہوں بہر حال ان کے شکرانوں کا ذریعہ بن رہے ہوتے ہیں اور ان کے سیاسی جتھے کو مضبوط کر رہے ہوتے ہیں۔جب دل اخلاص سے خالی ہو جائے تو آدمی کا ذہن حقائق کو سمجھنے سے معذور ہو جاتا ہے، مفاد اور لالچ روحانی فہم کو ماؤف کر دیتے ہیں بہر حال لوگوں میں بھی ایک گروہ ایسا ہے کہ جس کا جذبہ یہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ پر جا کر اٹھ بیٹھ کر کھا پی کر آ جائیں اور شکر شکرانہ دے آئیں اور اعمال ومجاہدات کی تکلیف سے بچے رہیں نشستند، گفتند و برخاستند، کا مصداق ہوں نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ بھی چوکھا آئے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سمیت ہمارے سب کو ھدایت نصیب فرمائے، اپنی حفاظت میں رکھے اور مفادات سے بالاتر ہو کر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

حضرت سید ابوالحسن ندویؒ

دورِ فتن میں صبر کی ڈھال

صبر انسان کی وہ عظیم ترین روحانی قوت ہے جس سے تمام تر مشکلات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ صبر ہر مشکل کی کلید ہے، صبر ایک ایسا معنوی ہتھیار ہے جو بڑے سے بڑے مادی ہتھیاروں کو زیر کر سکتا ہے، اسی لیے قرآن میں شکستہ حال قوم کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِط (سورۂ بقرہ:۱۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز جیسی معنوی قوتوں کی مدد حاصل کرو۔

صبر سے انسان کو خدا کی معیت نصیب ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ٥ (بقرہ:۱۵۳)

صبر کرنے والوں کو اللہ کی معیت حاصل ہوئی ہے۔

صبر نصف ایمان ہے۔ (مسند فردوس ابو منصور الدیلی بحوالہ المغنی عن حمل الاسفار للعراقی، ج۴،ص۶۰)

قرآن میں ستر (۷۰) سے زیادہ مقامات پر صبر اور صابرین کا ذکر کیا گیا ہے اور اکثر درجات و مقامات عالیہ کو صبر کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ان کو صبر کا ثمر قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا (السجدہ:۲۴)

ترجمہ: ہم نے ان کے صبر کے نتیجے میں ان میں ایسے ائمہ ہدایت پیدا کیے جو ہمارے حکم کے مطابق کار ہدایت انجام دیتے تھے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا (الاعراف ۱۳۷)

ترجمہ: اور بنی اسرائیل پر ان کے صبر کے نتیجے میں آپ کے رب کا ایک وعدہ پورا ہوا۔

وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ٥ (النحل:۹۶)

اور بالیقین ہم صبر کرنے والوں کو ان کی محنتوں سے زیادہ بہتر بدلہ عنایت کریں گے۔

اُولٰٓىِٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا (القصص:۵۴)

ان لوگوں کو ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا۔

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ٥ (الزمر:۱۰)

صابرین کو بے حساب اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ یعنی ہر عمل کے اجر و ثواب کی ایک حد و حساب

مقرر ہے لیکن صبر کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔

روزہ کے بارے میں جو روایات میں آتا ہے کہ ہر عمل کا اجر ملائکہ کے ذریعہ دلایا جائے گا لیکن روزہ صبر ہی کی ایک قسم ہے۔

وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ o (الانفال:۴۶)

صبر کرو بیشک اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ o (آل عمران:۱۲۵)

صابرین کو بیک وقت وہ مقامات حاصل ہو جاتے ہیں جو دوسروں کو نہیں ہوتے۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ قف وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ o (بقرہ:۱۵۷)

ان پر اللہ کی طرف سے صلوٰت اور رحمت کی عنایات ہوتی ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ بھی ہوتے ہیں

احادیث و آثار میں بھی صبر کو خاص مقام دیا گیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ''ایمان'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ایمان نام ہے صبر اور سماحت کا (طبرانی کبیر المغنی عن حمل الاسفار، ج:۴،ص ۶۱) ایک اور موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا ناخوشگوار امور پر صبر کرنے کا بدلہ خیر کثیر ہے۔ (ترمذی بروایت حضرت ابن عباسؓ، المغنی، ص۱۲)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے کہ ''تم اپنی پسندیدہ چیزوں کو اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر نہ کرو۔'' (احیاء العلوم: ج۴:ص ۶۲)

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے ایک خط میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کو تحریر فرمایا کہ

''صبر کو لازم پکڑو اور معلوم ہونا چاہیے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: مصائب پر صبر، اور محرمات پر صبر۔ آخر الذکر اول الذکر سے افضل ہے اور سنو کہ صبر مدارِ ایمان ہے اسی طرح تقویٰ سب سے افضل نیکی ہے اور تقوی کی روح صبر ہے۔'' (حوالہ بالا)

حضرت علیؓ کا قول ہے: ایمان کی بنیاد چار ستونوں پر ہے: (۱) یقین، (۲) صبر، (۳) جہاد، (۴) اور عدل۔ نیز فرمایا کہ ''صبر کو ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے ہے جس طرح سر کے بغیر جسم نہیں اسی

طرح صبر کے بغیر ایمان نہیں۔" (حوالہ بالا)

فلسفۂ صبر:

صبر سلوک و معرفت کی ایک اہم ترین منزل ہے، صبر مقام انسانیت ہے، صبر ایک نکتہ امتیاز ہے جو انسانوں کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے، صبر کا مقام صرف انسانوں کو دیا گیا ہے، بہائم اور ملائکہ اس مقام سے محروم ہیں، اس لیے کہ صبر نام ہے دینی محرکات کو نفسانی محرکات پر ترجیح دینے کا اور ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مخلوق میں دونوں قسم کے محرکات و عوامل موجود ہوں۔ حیوانات میں نفسانی اور شہوانی محرکات تو ہیں مگر دینی محرکات نہیں ہیں اور ملائکہ کو دینی محرک و عامل تو حاصل ہے مگر نفسانی محرکات سے وہ پاک ہیں اور جب ایک ہی محرک ہو تو نہ کسی کشمکش کی نوبت آسکتی ہے اور نہ کسی ترجیح کی ضرورت پڑے گی۔ اسی لیے ملائکہ اور حیوانات اپنے اپنے محرکات کے تحت کام کرنے پر مجبور و مسخر ہیں۔ وہ آزمائش کی منزل سے دور ہیں اور اسی لیے ان کے لیے وہ مقامات عالیہ بھی نہیں ہیں جو آزمائش سے گذرنے والوں کا مقدر ہیں۔

البتہ انسان خدا کی ایسی مخلوق ہے جس میں نفسانی محرکات بھی موجود ہیں اور دینی محرکات بھی، انسان کا بچپن جانور کی طرح صرف شہوانی محرکات کا پابند ہوتا ہے، کھانے پینے کی خواہش، کھیلنے کودنے کی طلب، سجنے سنورنے کی آرزو پھر کچھ اور بڑے ہوئے بلوغ کو پہنچے تو صنف مخالف کی طرف میلان وغیرہ۔ بچپن کی منزلوں میں انسان کے اندر صرف ایک ہی قسم کا محرک ہوتا ہے اسی لیے اس میں قوتِ صبر نہیں ہوتی اور اسی بنیاد پر بلوغ سے قبل قبل انسان تکلیف کے دائرے سے خارج ہوتا ہے لیکن جب انسان بچپن کی ناقص منزلوں سے گذرتے ہوئے بلوغ کی حد پار کر لیتا ہے تو اس میں فطرت کے مطابق ایک ملکوتی اور دینی محرک بھی بیدار ہوتا ہے اور دونوں محرکات کے تقاضوں میں کشمکش شروع ہوتی ہے یہی وہ عمر ہوتی ہے جب انسان شرعی طور پر مکلّف قرار دیا جاتا ہے اور انسان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی طبیعت کو دینی محرکات کا پابند کرے اور نفسانی اور بالفاظ دیگر حیوانی محرکات کو مغلوب کرے اور اسی کا نام صبر ہے۔ تو گویا صبر انسان کی اصل منزل ہے، یہ دین کی پہلی منزل بھی ہے اور آخری بھی۔ صبر انسان کی شناخت ہے اور صبر ہی کی قوت نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور صبر ہی کی بدولت انسان ان مقاماتِ عالیہ کو پا سکتا ہے، جہاں تک مقرب ترین فرشتوں کا بھی گذر نہیں۔

صبر ایمانی ترقیات کا ذریعہ

اگر صبر کی حقیقت اور فلسفہ سے انسان واقف ہو تو وہ بخوبی اس حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے کہ بلند مقامات تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ صبر کا ماحول بنا رہے۔ دینی و دنیاوی محرکات کی کشمکش جاری رہے، کفر و اسلام کی قوتوں کا تصادم ہر وقت برپا ہے کیونکہ سازگار ماحول میں کام کرنا کمال نہیں یہ منزل تو ملائکہ اور بہائم کی ہے۔ کمال یہ ہے کہ انسان ناسازگار ماحول میں کام کرے ناسازگار ماحول میں صبر کی قوت درکار ہوتی ہے اور مؤمن روحانی طور پر بڑی تیزی کے ساتھ سفر کرتا ہے۔

صبر کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو مقامات سازگار حالات میں شدید ترین ریاضتوں اور طویل المدت عبادتوں کے بعد طے ہو سکتے ہیں وہ صبر کے حالات میں بڑی آسانی سے طے ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ مسلمانوں کے لیے دنیا میں صبر کے ماحول کو پسند کرتا ہے تاکہ جو مقامات پچھلی امتیں طویل المدت عبادتوں اور مشکل ترین ریاضتوں کے بعد بھی طے نہ کر سکیں وہ امت محمدیہ کے افراد صبر کی لمحاتی مدتوں میں طے کر لیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں: **اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ**. (دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے باغ و بہار ہے۔)

یہ قید خانے کا ماحول بلاوجہ نہیں بنایا گیا ہے بلکہ اس کو بلند مقامات تک پہنچانے کے لیے اور روحانی مدارج طے کرانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ ماحول جتنا ناسازگار ہوگا ایمانی محرکات پر عمل درآمد ہونے کا درجہ اتنا ہی بلند ہوگا۔ اسی سے اس حدیث کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے **یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینہ کالقابض علی الجمر**. (یعنی انسانی دنیا میں ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ دینی زندگی اختیار کیے رکھنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ ہتھیلی پر دہکتے انگاروں کو رکھنا۔)

اس میں حالات کی ناسازگاری اور صبر کے ماحول کا بیان ہے اسی لیے اس دور کی ہلکی عبادتوں کو بھی وہ مقام حاصل ہوگا جو دورِ عافیت کی مشکل عبادتوں سے حاصل ہوتا ہے اور تھوڑی ریاضت سے انسان وہ مقامات طے کر سکے گا جو پہلے بڑی ریاضتوں کے بعد طے ہوا کرتے تھے۔

قیامت جوں جوں قریب ہوتی جائے گی، صبر کا ماحول اتنا ہی زیادہ سخت ہوتا جائے گا اور مسلمانوں کے لیے دینی ترقیات کے مواقع بڑھتے جائیں گے اور تھوڑی تھوڑی عبادتیں بھی بڑی بڑی عبادتوں پر بھاری ہوتی جائیں گی۔ غالباً یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف ایک حدیث پاک میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ اسلم نے ارشاد فرمایا:

امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس علیھا عذاب فی الآخرۃ عذابھا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل. (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ، ص ۴۶۰)

''یعنی میری امت کو عذاب آخرت کے مرحل سے گزرنا نہیں پڑے گا، اس کے عذاب کی تمام تر منزلیں دنیا ہی میں فتنوں، زلزلوں اور قتل کی صورتوں میں طے ہوجائیں گی۔''

علماء اور شارحین اس حدیث کی تشریح میں کافی حیران ہوئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے یہ مقامِ صبر کا بیان ہے اور صابرین اگر ان حالات میں اپنے کو دینی طور پر ثابت قدم رکھتے ہیں تو ان کے تمام گناہوں کا کفارہ اسی دنیا میں ہوجاتا ہے اور آخرت کی مشکلات سے ان کو گذرنا نہیں پڑتا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ مقام ہر ایک کو میسر نہیں آسکتا، یہ امتِ مرحومہ کے صرف انہی افراد کو میسر آسکتا ہے جو صبر کے حالات میں پرورش پائیں گے اور ناسازگار حالات میں بھی دینی محرکات کی تکمیل کریں گے۔

صابرین کے درجات:

بعض عارفین نے کہا ہے کہ اہلِ صبر کے تین درجات ہیں۔ (۱) پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی تمام تر خواہشات سے دستبردار ہوجائے، یہ تائبین کا مقام ہے۔ (۲) دوسرا درجہ یہ ہے کہ تقدیر پر انسان راضی رہے، یہ زاہدین کا مقام ہے۔ (۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ آقا کے تمام تر فیصلوں کو نہ صرف یہ کہ قبول کرے بلکہ اس سے محبت کرے اور اس کے خلاف کو ہرگز قبول نہ کرے یہ صدیقین کا مقام ہے۔

پہلا درجہ مقامِ صبر ہے، دوسرا مقامِ رضا اور تیسرا مقامِ محبت ہے۔ مقامِ محبت سب سے اونچا مقام ہے۔ (احیاء العلوم للغزالی، ج ۴، ص ۶۹، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)

فتنۂ مصیبت اور فتنۂ راحت کی حقیقت:

اسی طرح بعض عارفین کا قول ہے مصائب اور ترکِ خواہشات پر صبر آسان ہے اور ایک مؤمن چاہے تو اس کو اختیار کرسکتا ہے، مگر عافیت و راحت پر صبر بہت مشکل ہے یہ صرف صدیقین کا مقام ہے۔ (حوالہ بالا)

اسی لیے حضرت سہل تستریؒ فرماتے تھے کہ عافیت پر صبر سب سے مشکل ہے۔ صحابہ کرام پر جب فتوحات کے دروازے کھلے تو فرماتے تھے کہ ہم فتنۂ ضراء (یعنی فقر و فاقہ اور خوف و شدت کی آزمائشوں) میں مبتلا ہوئے تو ہم امتحان مین کامیاب ہوگئے، لیکن جب فتنۂ سراء (یعنی راحت و عافیت کی آزمائش) میں مبتلا ہوئے تو صبر نہ کرسکے۔ (حوالہ بالا)

قرآن کریم میں ان دونوں آزمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے: فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ٥ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ٥ (الفجر۱۵،۱۶)

''یعنی انسان کو جب اس کا پروردگار انعام واکرام کے ذریعہ آزماتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا اور جب اس کو تنگیء روزگار میں مبتلا کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے میری توہین کی'' یعنی اکرام اس کا حق تھا اور توہین اس کی حق تلفی اور ناقدری ہے۔ انسان بڑا تنگ نظر ہے وہ بہت جلد اپنی حیثیت بھول جاتا ہے اور انسان کی یہ تنگ نظری اور حیثیت کا یہ نسیان جس قدر راحت وعافیت کے ایام میں پیش آتا ہے مصیبت والم کے لمحات میں نہیں ہوتا۔ مصیبت کے لمحات میں غافل انسان بھی کسی نہ کسی درجے میں حساس ہو جاتا ہے۔ مصیبت وخوف کے لمحات میں انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور انسان کس طرح بے اختیار اللہ کی طرف جھک جاتا ہے، قرآن میں کئی مقامات پر انسان کی ان کمزور کیفیات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ارشاد ہے:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ط وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ٥ (سورۂ لقمان:۳۲)

''اور جب ان کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو اللہ کو پورے اخلاص دین سے پکارتے ہیں پھر جب ان کو نجات دے کر اللہ خشکی میں پہنچا دیتے ہیں تو کچھ لوگ اعتدال پر رہتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں۔''

سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہے: فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ٥ (عنکبوت:۶۵)

ترجمہ: ''جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اخلاص دین کے ساتھ پکارتے ہیں پھر جب اللہ ان کو نجات دے کر خشکی میں پہنچا دیتا ہے تو وہ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔''

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ٥ (یونس:۲۲)

ترجمہ: ''وہی خدا کی ذات ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لیے پھرتی ہے یہاں تک کہ کبھی ایسا بھی

ہوتا ہے کہ جب تم کشتی کے سفر پر ہوتے ہو اور خوشگوار ہوا چل رہی ہوتی ہے اور وہ خوش خوش چل رہے ہوتے ہیں کہ اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آتا ہے اور موجیں ہر طرف سے ان پر اٹھی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بُرے آگھِرے اس وقت سب خالص اعتقاد کے ساتھ پکارتے ہیں کہ اے پرودگار اگر آپ ہم کو اس مصیبت سے نجات دے دیں تو ہم آپ کے شکر گذار بندے بن جائیں گے۔''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غم والم کے لمحات دینی طور پر انسان کے لیے اتنے نقصان دہ نہیں ہیں، ایک صاحبِ ایمان ذرا ہمت کرے تو ان کو بآسانی عبور کرسکتا ہے اور ان آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ گزر سکتا ہے، لیکن راحت و بےفکری کے لمحات انسان کے لیے سخت آزمائشی ہوتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ان لمحات کو دینی اور ایمانی طور پر صحیح صحیح گزارنا اور اس فتنۂ سراء (راحت) کو کامیابی کے ساتھ عبور کرنا آسان نہیں ہے۔قرآن نے اسی لیے جتنا زور اس فتنۂ راحت سے چوکنا رہنے پر دیا ہے فتنۂ مصیبت پر نہیں دیا۔ایک مقام پر اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فتنۂ نعمت کے بعض اسباب محرکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (منافقون:۹) ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم کو تمہارے اموال اور اولاد ذکرِ الٰہی سے غافل نہ کردیں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ (تغابن:۱۴)
ترجمہ ''تمہاری ازواج اور اولاد (دینی طور پر) تمہارے لیے دشمن (آزمائش) ہیں اس لیے ان سے محتاط رہو''
ایک اور جگہ ارشاد ہے: اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ط (تغابن:۱۵) تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔

فتنۂ مصیبت آخر ایک نہ ایک مقام پر ٹھہر جاتا ہے مگر فتنۂ نعمت زندگی کے کسی مرحلے پر نہیں رکتا۔ اس فتنے کی آگ کو سوائے قبر کی مٹی کے کوئی چیز بجھا نہیں سکتی۔موت کا آہنی پنجہ ہی اس فتنے کے رخ کو موڑ سکتا ہے۔قرآن میں ایک پوری سورۂ تکاثر اسی موضوع پر نازل ہوئی ہے۔

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُo حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ o کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o ثُمَّ کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ o لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَo ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ o ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِo (سورۂ تکاثر، پ۳۰)

ترجمہ: ''تم کو کثرت کی ہوس نے غافل کردیا ہے یہ غفلت تمہاری قبر کی منزلوں سے پہلے ختم نہ ہوگی۔ہرگز نہیں تم عنقریب جان لوگے (باقی صفحہ ۱۸ پر)

سانحہ ہائے ارتحال

گزشتہ مہینے اور اس مہینے میں کچھ اہم شخصیات ہم سے رخصت ہوگئیں جو اپنے کارناموں کی وجہ سے ساری امت کے لیے رحمت کا ذریعہ تھیں۔ پوری امت کے ساتھ ادارہ اشرفیہ عزیزیہ بھی ان کے غم میں شریک ہے ۔

مرگِ تاباں داغ ہے سینے پہ میر   تھا بیچارہ ہم سے بھی کچھ آشنا

حضرت مفتی زین العابدین صاحب کی رحلت پچھلے مہینے میں ہوگئی تھی لیکن غزالی کا شمارہ نکل چکا تھا۔ حضرت مفتی صاحب بیک وقت عالم، مفتی اور سلاسلِ تصوف میں حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ گزشتہ تقریباً پچاس سال سے زیادہ عرصے سے حضرت مولانا الیاسؒ کی تبلیغی تحریک سے وابستہ تھے اور اس سلسلے میں ملکی و عالمی سطح پر طویل سفر کر کے دینی خدمات سرنجام دے چکے تھے۔ تبلیغی تحریک میں ایسے طبقے کے آگے آجانے سے جس کی کوئی علمی اور روحانی بنیاد نہیں تھی دین کا تصور صرف کام، فکر، چلت پھرت اور بولنے کی شکل میں پیش کیا جانے لگا جبکہ حضرت مفتی صاحب ایسی شخصیت تھے جو اس کے برعکس دین کے جامع تصور کو لے کر چل رہے تھے۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مفتی زین العابدین صاحب ان چند شخصیات میں سے ہیں جن کا بیان حضرت مولانا الیاسؒ، مولانا یوسفؒ اور مولانا انعام الحسنؒ کی فکر کا ترجمان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

امت کو دوسرا صدمہ حضرت مفتی نظام الدّین صاحب شامزئی کی شہادت کا ملا

؎ مقامِ عاشقی دیگر مقامِ بندگی دیگر   زخاکی سجدہ می خواہی زنوری بیش ازآں خواہی

ترجمہ: عاشقی کا مقام اور ہے، بندگی کا مقام اور ہے۔ نوری یعنی فرشتے سے تو تو سجدہ مانگتا ہے لیکن خاکی یعنی انسان سے اس سے زیادہ مانگتا ہے، اور وہ مانگ جان کے نذرانے کی ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت مفتی صاحب عالمِ بے بدل، کہنہ مشق مفتی اور صوفیاء کے سلسلے کے صاحبِ خلافت بزرگ تھے، اس پر مزید یہ کہ جدید تعلیمی نظام کے معیار کے مطابق کراچی یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کئے ہوئے تھے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ کتنی جانکاہ محنت اور جان کھپانے کے بعد آدمی مفتی بنتا ہے، اسی طرح سالہا سال کے مجاہدات کے بعد آدمی پتہ مار کر خلافت کے مقام تک پہنچتا ہے۔ ایسی شخصیات امت کے لیے

ھدایت کے چراغ ہوتی ہیں۔دشمن کی یہ کوشش ہے کہ امت ایسی شخصیات سے محروم ہوجائے اور ایسے واقعات کے نتیجے میں ملکِ عزیز پاکستان بلکہ پوری امت افراتفری میں مبتلا ہوجائے۔اللہ تعالیٰ دشمن کے ان منصوبوں کو ناکام فرمائے اور علمائے امت کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ محنت اور مجاھدات کی گھاٹیوں سے گزر کر رخصت ہونے والے اکابرین کے خلاء کو پُر کریں۔

؎ اسلام کو دنیا میں کمزور نہ تم سمجھو اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے اقبال

؎ کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعداء سے نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعداء سے اقبال

(صہیلِ فرسِ اعداء۔دشمنوں کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ)

تیسری وفات حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نقشبندی المعروف بہ پیر سباق صاحبؒ کی ہے۔ موصوف سلسلۂ نقشبندیہ کے کامل شیخ تھے اور عرصہ دراز تک نوشہرہ کے علاقہ میں انسانوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات کو بلند فرمائے۔

چوتھی وفات ادارہ کے سرپرست حضرت مولانا ڈاکٹر سید سعیداللہ صاحب کے والد صاحب کی ہوئی۔ موصوف فارغ التحصیل عالم، متقی اور صالح بزرگ تھے اور اپنے علاقے کی بابرکت شخصیت تھے۔اللہ تعالیٰ انھیں مغفرتِ تامہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

مبارکباد

ادارہ اشرفیہ کے ممبر اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ کے دیرینہ مرید اور خادم ڈاکٹر خان بہادر صاحب مروت کو اپنی سائنسی تحقیقات کی بناء پر حکومتِ پاکستان سے گریڈ ۲۱ میں ترقی دی گئی۔ادارہ اس ترقی پر انھیں مبارکباد پیش کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

جب سوتے سوتے ڈر جائے یا نیند اچاٹ ہوجائے تو یہ دعا پڑھے:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَ عِقَابِہٖ وَ شَرِّ عِبَادِہٖ وَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (مشکوٰۃ)